بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

معذور پر جہاد فرض نہیں ہے

—————— سید جلال الدین عمری

منافقین کے جھوٹے عذرات

سورۂ توبہ میں منافقین کا کردار بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ خاص طور پر جہاد کے سلسلے میں ان کے متعلق بتایا گیا کہ ان کے اندر اس کے لئے قطعاً کوئی آمادگی نہیں ہوتی۔ جہاد کا حکم دیا جاتا ہے تو زمین سے چمٹے بیٹھے رہتے ہیں۔ اپنی جگہ سے اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ (التوبۃ: ۳۸) کسی دور دراز کے محاذ پر جانا ہوتو قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں۔ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (۴۲) اگر ہم نکل سکتے تو آپ لوگوں کے ساتھ ضرور نکلتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ محاذ جنگ پر جانا ہی نہیں چاہتے۔ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو جنگ سے پہلے جو تیاری کرنی چاہئے وہ ضرور کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی نہ تھی کہ وہ اس پاک مقصد میں شریک ہوں۔ ان کی قسمت میں یہی تھا کہ (عورتوں، بچوں اور معذوروں کی طرح) یہ بھی گھروں میں بیٹھے رہیں۔ (۴۶) اس لئے کہ وہ جنگ میں شریک ہوتے بھی تو فساد ہی پھیلاتے۔ (۴۷) ان کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح و کامرانی سے انہیں تکلیف ہوتی ہے اور مسلمان کسی شکست سے دوچار ہوں یا انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو خوشی مناتے ہیں اور اپنی ہوشیاری پر ناز کرتے ہیں کہ ہم اس مصیبت سے محفوظ رہے۔ (۵۰) اللہ کی راہ میں اپنا مال لگانا اور جہاد پر خرچ کرنا انہیں ناپسند ہوتا ہے اور اگر کبھی کچھ دینا ہی پڑے تو سخت ناگواری کے ساتھ دیتے ہیں۔ (۵۴) اللہ کے مخلص

بندے اپنی محنت مزدوری کی کمائی اس کی راہ میں لگاتے ہیں تو اس پر طنز کرتے ہیں۔(۷۹) موسم کی سختی بھی ان کے لئے عذر بن جاتی ہے۔ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ (۸۱) اور کہتے ہیں کہ سخت گرمی میں نہ نکلو۔

یہ اور اس نوعیت کے جھوٹے عذرات سے آدمی کے باطن کی کھوٹ اور اس کا نفاق ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حیلے بہانے اسی وقت تراشے جاتے ہیں جب کہ دل ایمان کی دولت سے محروم ہو اور اللہ کے دین کے لئے جان و مال کی قربانی کا جذبہ سرد پڑ چکا ہو۔

حقیقی معذورین

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کے ساتھ حقیقی عذرات بھی ہوتے ہیں۔ انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے جہاں منافقین اور ان کے جھوٹے عذرات بیان کئے ہیں، وہیں حقیقی معذورین کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ جہاد میں شریک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (التوبۃ: ۹۱)

(جہاد میں شریک نہ ہوں تو) کوئی حرج نہیں ہے ضعیفوں پر اور مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس جہاد پر خرچ کے لئے نہیں ہے، جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ نکوکاروں پر کوئی اعتراض نہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

عدم استطاعت سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے

یہ صراحت اس بات کی ہے کہ جو شخص معذور ہے اور جہاد میں شریک نہیں ہوسکتا اس پر جہاد فرض نہیں ہے۔ اس سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کسی بھی حکم

شریعت کا آدمی اسی وقت مکلّف ہوتا ہے جب کہ اس حکم کو انجام دینے کی اس میں استطاعت ہو۔ اگر استطاعت نہ ہو تو وہ اس کا مکلّف نہ ہوگا۔ علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اَلْاٰیَۃُ اَصْلٌ فِیْ سُقُوْطِ التَّکْلِیْفِ عَنِ الْمَعْذُوْرِیْنَ فَکُلُّ مَنْ عَجَزَ عَنْ شَیْءٍ سَقَطَ عَنْہُ

آیت اس معاملہ میں اصل ہے کہ معذورین سے شرعی ذمہ داری ساقط ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی چیز سے (کسی عمل کے ادا کرنے سے) عاجز ہے اس سے وہ ساقط ہوجائے گا۔

آگے فرماتے ہیں: تکلیف کے سقوط کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک عمل کی جگہ دوسرا عمل رکھا جائے۔ دوسری یہ کہ اس کا تاوان یا فدیہ تجویز کیا جائے۔ مزید فرماتے ہیں: یہی بات لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرۃ:۲۸۶) میں کہی گئی ہے۔ اللہ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔[۱]

معروف حنفی فقیہ علامہ علاء الدین کاسانی اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اِنَّہٗ لَایُفْتَرَضُ اِلَّا عَلَی الْقَادِرِ عَلَیْہِ فَمَنْ لَا قُدْرَۃَ لَہٗ لَا جِھَادَ عَلَیْہِ

جہاد اس شخص پر فرض ہے جو اس کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو، جس کے اندر اس کی طاقت نہیں ہے اس پر جہاد فرض نہیں ہے۔

اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ جہاد کے معنی ہیں اپنی پوری قوت صرف کرنا، جس شخص کو یہ قوت ہی حاصل نہیں ہے اس کے لئے اس کے صرف کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی لئے نابینا، لنگڑے، اپاہج، چلنے پھرنے سے معذور، انتہائی بوڑھا، مریض، کم زور اور جو جہاد کے اخراجات برداشت کرنے کے موقف میں نہ ہو، ان میں سے کسی پر جہاد فرض نہیں قرار دیا گیا۔ علامہ کاسانی

---

۱ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: جلد۴ جزء۸، ص۱۴۴، دارالکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۸۸ء

فرماتے ہیں: بچے اور عورت پر بھی جہاد فرض نہیں ہے۔اس لئے کہ جسمانی طور پر وہ اس کے متحمل نہیں ہیں[۱]۔

فقہ حنفی کی ایک اور معتبر کتاب درمختار میں ہے:

لَابُدَّ لِفَرْضِيَّتِهٖ مِنَ الْاِسْتَطَاعَةِ [۲] جہاد کی فرضیت کے لئے استطاعت ضروری ہے۔

معذورین کون ہیں؟

سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت (۹۱) میں جہاد سے معذور جن افراد کا ذکر ہے وہ تین طرح کے ہیں۔

۱۔ضعفاء ۲۔مرضیٰ، ۳۔نادار

آیت میں 'ضعفاء' اور 'مرضیٰ' کے الفاظ آئے ہیں۔ضعفاء،ضعیف کی اور مرضیٰ مریض کی جمع ہے۔امام رازی وغیرہ نے ضعیف اور مریض میں فرق کیا ہے۔ ضعیف وہ ہے جو جسمانی طور پر تو صحیح سالم ہو اور اس میں کوئی طبعی نقص یا عیب نہ ہو، لیکن کم زور اور ناتواں ہو اور جہاد میں حصہ نہ لے سکے۔جیسے بوڑھے اور عمر رسیدہ افراد،عورتیں اور بچے۔

ضعیف وہ شخص بھی ہے جو پیدائشی طور پر نحیف،کم زور اور لاغر ہو اور جہاد کی مشقت نہ برداشت کر سکے۔

چنانچہ امام رازی ضعیف کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وَ مَنْ خُلِقَ فِی اَصْلِ الْفِطْرَةِ ضَعِيفاً نَحِيفاً [۳] جو فطری طور پر ضعیف اور نحیف ہو۔

یہی بات علامہ علاء الدین خازن نے کہی ہے:

---

[۱] کاسانی، بدائع الصنائع: ۷/ ۱۴۶۔دارالفکر، بیروت ۱۹۹۶ء

[۲] ردالمحتار مع درالمختار: ۶/ ۲۰۵۔دارالکتب العلمیہ ،لبنان ۱۹۹۴ء

[۳] رازی، التفسیر الکبیر: جلد ۸ جزء ۱۶ ص ۱۲۷۔دارالکتب العلمیہ ،لبنان ۱۹۹۰ء

وَ مَنْ خُلِقَ فِیْ اَصْلِ الْخِلْقَةِ ضَعِیْفاً نَحِیْفاً ١ — جو پیدائشی طور پر ضعیف اور نحیف ہو۔

علامہ ابوحیان اندلسی نے اس شخص کو بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے جس کے اندر پیدائشی طور پر خوف کی کیفیت اور اس قدر ضعف و ناتوانی ہو کہ جہاد میں شرکت اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ کہتے ہیں:

وَ مَنْ خُلِقَ فِیْ اَصْلِ الْبِنْیَةِ شَدِیْدَ الْمَخَافَةِ وَ الضُّؤُلَةِ بِحَیْثُ لَا یُمْکِنُهُ الْجِهَادُ ٢ — جس کے اندر اپنی جسمانی ساخت کے لحاظ سے شدید خوف، ضعف اور ناتوانی ہو جس سے کہ اس کے لئے جہاد ممکن نہ ہو۔

مریض کے متعلق امام رازی فرماتے ہیں کہ اس سے نابینا، لولے لنگڑے اور اس نوعیت کے وہ تمام افراد مراد ہیں جو مرض کی وجہ سے جہاد کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ یہ فرق اس لئے کیا گیا ہے کہ قرآن مجید نے ضعفاء اور مرضیٰ کا الگ الگ ذکر کیا ہے ٣۔

لیکن قرآن مجید میں ایک جگہ جہاد سے معذورین میں نابینا، لنگڑے اور مریض کا ذکر ہے، جس سے اوپر کے بیان کردہ فرق کی تائید نہیں ہوتی۔ ارشاد ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمیٰ حَرَجٌ وَ لَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَ لَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَاباً اَلِیْماًo (الفتح:١٧) — اندھے پر حرج نہیں ہے، نہ لنگڑے پر حرج ہے اور نہ مریض پر اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اسے وہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اور جو روگردانی کرے اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

---

١ خازن: تفسیر (لباب التاویل فی معانی التنزیل) ٣/١٧٢۔ دار الکتب العلمیہ، لبنان ١٩٩٥ء

٢ ابوحیان: البحر المحیط: ٥/٨٧۔ دار الکتب العلمیہ، لبنان ١٩٩٣ء

٣ رازی: التفسیر الکبیر، جلد ٨ جزء ١٦ ص ١٢٧، نیز ملاحظہ ہو۔ خازن، تفسیر: ٣/١٧٢

اس بحث سے قطع نظر، یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید نے مختلف نوعیت کے عذرات کا ذکر کیا ہے، ان میں بہرحال فرق بھی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی مختلف جسمانی عذرات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ لنگ اگر نمایاں ہے اور دوڑ دھوپ اور سواری کا استعمال ممکن نہیں ہے تو یہ عذر قابل اعتبار ہے، لیکن معمولی لنگ جس کے ساتھ آدمی دوڑ لگا سکتا اور سواری کر سکتا ہو تو یہ عذر نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے نابینا تو معذور ہے لیکن ترچھا پن عذر نہیں ہے۔ یہی معاملہ مرض کا ہے۔ شدید مرض تو مانعِ وجوب ہے لیکن معمولی مرض سے وجوب ختم نہیں ہوگا۔ جیسے دانت کی تکلیف یا ہلکا دردسر وغیرہ۔ کیوں کہ جہاد اس کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے[۱]۔

مریض دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا مرض دائمی اور مستقل ہوتا ہے۔ نابینا، لولے لنگڑے اور اپاہج اسی میں آتے ہیں۔ دوسرے وہ مریض جن کے مرض کی نوعیت وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔ جیسے شدید بخار، ایسی چوٹ اور زخم جس سے چلنا پھرنا اور حرکت کرنا دشوار ہو۔ لیکن اس نوعیت کے امراض قابل علاج ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ آج کل تپ دق جیسے امراض بھی قابل علاج سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جب مرض ختم ہو جائے اور صحت بحال ہو جائے تو صحت مند انسان متصور ہوگا[۲]۔

مالی عدم استطاعت

جہاد کے وجوب کے لئے مالی استطاعت بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَایَجِدُوْنَ مَا یُنفِقُوْنَ ○	اور ان پر بھی جہاد فرض نہیں ہے جو جہاد پر خرچ کے لئے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے۔

---

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۹/۱۳۰۔ ہجر، القاہرہ ۱۹۹۲ء

۲ ملاحظہ ہو، رشید رضا، تفسیر المنار: ۱۰/۵۸۶۔ دار المعرفۃ، لبنان ۱۹۹۳ء

اس کے ذیل میں مفسر خازن کہتے ہیں:

يَعْنِي الْفُقَرَاءَ الْعَاجِزِيْنَ عَنْ أُهْبَةِ الْغَزْوِ وَ الْجِهَادِ فَلَا يَجِدُوْنَ الزَّادَ وَالرَّاحِلَةَ وَالسِّلَاحَ وَ مُؤْنَةَ السَّفَرِ لِأَنَّ الْعَاجِزَ عَنْ نَفَقَةِ الْغَزْوِ مَعْذُوْرٌ [1]

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ اور جہاد کا ساز و سامان کرنے سے عاجز ہوں، یعنی جو کھانے پینے کا سامان، سواری، ہتھیار اور سامان سفر نہ پاتے ہوں۔ اس لئے کہ جو شخص جنگ کے اخراجات برداشت نہ کر سکے وہ معذور ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد اس وقت فرض ہوتا ہے جب کہ آدمی کے پاس زادِ سفر، اسلحہ اور سواری جیسے لوازمات ہوں۔ اسی میں اہل وعیال اور جن افراد کی کفالت کی ذمہ داری آدمی پر ہے ان کا نان ونفقہ بھی شامل ہے۔ اس کا نظم نہیں ہے تو جہاد کا فرض عائد نہ ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی سورۂ توبہ (۹۱) کی اسی آیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

اگر جہاد کے لئے قریب کا سفر کرنا پڑے تو شرط یہ ہے کہ آدمی کے پاس زادراہ ہو اور جب تک وہ گھر سے باہر ہے، گھر والوں کے نفقے کا انتظام ہو اور جنگ کے لئے اسلحہ ہو۔ قریب کے سفر کے لئے، جس میں نماز قصر نہ کی جا سکے، سواری ضروری نہ ہوگی، لیکن اگر مسافت اتنی ہے کہ اس میں قصر پڑھی جائے تو سواری کا بھی اعتبار ہوگا [2]۔

اگر کوئی شخص جہاد کے اخراجات نہ برداشت کر سکے اور حکومت اس کا نظم کر دے تو عذر ختم ہو جائے گا۔ لیکن حکومت اس موقف میں نہ ہو تو آدمی مجبور سمجھا جائے گا۔ جہاد میں شرکت اس کے لئے لازم نہ قرار پائے گی۔ چنانچہ حقیقی عذرات ہی کے ذیل میں یہ بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَا أَتَوْكَ

اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے کہ وہ جب آپ

---

[1] خازن مع بغوی: تفسیر ۳/۱۷۲، ابن قدامہ، المغنی: ۹/۳۱، ۲۰

[2] ابن قدامہ: المغنی ۹/۱۳-۱۰

لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعۡيُنُهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوۡا مَا يُنۡفِقُوۡنَ ۝ (التوبۃ:۹۲)

کے پاس اس لئے آئیں کہ آپ ان کے لئے سواری فراہم کردیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تمہارے لئے سواری فراہم نہیں کرسکتا (یہ سن کر) وہ اس حال میں واپس ہورہے ہیں کہ ان کی آنکھیں اس غم میں آنسو بہارہی ہیں کہ وہ خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حکومت جہاد کے لوازمات پورے کردے، مطلوبہ ساز وسامان فراہم کردے اور اس کے اخراجات برداشت کرے تو مالی عدم استطاعت کا عذر ختم ہوجائے گا اور جن لوگوں کو جہاد کا حکم ہو ان کے لئے جہاد پر نکلنا لازم قرار پائے گا۔

فنی صلاحیت

جنگ کے لئے فنونِ جنگ سے واقفیت لازمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑی اہمیت دی ہے۔ آپ نے تیر اندازی، گھڑسواری اور شمشیرزنی سیکھنے اور اس کی مشق جاری رکھنے کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی۔ ان فنون کا تعلق آپ کے دور مبارک سے تھا۔ آج جنگ زیادہ پیچیدہ شکل اختیار کرچکی ہے۔ اس کے لئے فوجی تربیت ناگزیر ہے۔ ایک تربیت یافتہ فوجی ہی محاذ جنگ پر اپنا فرض انجام دے سکتا ہے۔ فقہاء نے فنی صلاحیت کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار میں ہے:

وَ شَرۡطُ لِوُجُوۡبِهِ الۡقُدۡرَةُ عَلَى السِّلَاحِ اَیۡ عَلَى الۡقِتَالِ [1]

جہاد کے وجوب کے لئے شرط ہے کہ ہتھیار پر یعنی جنگ پر قدرت حاصل ہو۔

جو شخص یہ محسوس کرے کہ وہ محاذ جنگ پر (بے فائدہ) مارا جائے گا یا گرفتار

---

[1] ابن عابدین: ردالمحتار علی الدرالمختار ۶/۲۰۵

ہو جائے گا تو اس پر جہاد فرض نہیں ہے [۱]۔

معذورین کے لئے شرکت کا جواز

قرآن مجید نے معذورین کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہاد پر نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ گناہ گار نہ قرار پائیں گے یا وہ قابلِ ملامت نہ ہوں گے اور ان کی گرفت نہ ہوگی۔ یہ ایک طرح کی رخصت ہے یا یوں کہا جائے کہ جہاد میں عدم شرکت کی انہیں اجازت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاد میں شرکت ان کے لئے ممنوع ہے اور وہ جہاد میں شریک ہوں گے تو گناہ گار ٹھہریں گے یا ثواب سے محروم ہوں گے بلکہ وہ کسی بھی درجہ میں معاون ہو سکتے ہوں تو اجر و ثواب کے یقیناً مستحق ہوں گے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

عدمِ حرج کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معذوروں کے لئے جہاد پر نکلنا حرام ہے۔ معذور شخص اگر اس خیال سے جہاد میں شریک ہو کہ وہ اپنی طاقت کی حد تک مجاہدین کی مدد کرے گا، ان کے ساز و سامان کی حفاظت کرے گا یا لشکر کی تعداد میں اضافہ کا باعث ہوگا اور وہ مجاہدین پر بوجھ نہیں بن رہا ہے تو اس کی خدمت عنداللہ مقبول ہوگی [۲]۔

یہی بات اور مفسرین نے بھی کہی ہے۔ علامہ ابوحیان اندلسی اس کے ثبوت میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن جموحؓ کے پیر میں لنگ تھا۔ ان کا انصار کے متقی اور خدا ترس افراد میں شمار ہوتا تھا، وہ لشکر میں سب سے آگے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں معذور قرار دیا ہے، (تم کیوں اس قدر تکلیف برداشت کر رہے ہو) انہوں نے عرض کیا! خدا کی قسم میں تو اپنے اسی لنگ کے ساتھ اچھلتا ہوا جنت میں جاؤں گا۔ حضرت ام مکتومؓ نابینا تھے۔ جنگِ احد میں شریک ہوئے۔ درخواست کی کہ علم انھیں عطا کیا جائے۔ چنانچہ علم ہاتھ میں

---

۱ حوالۂ سابق ص ۲۰۶

۲ رازی: التفسیر الکبیر جلد ۸ جزء ۱۶ ص ۱۲۷

لیا۔ جب وہ ہاتھ زخمی ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے تھام لیا۔ جب وہ بھی زخمی ہو گیا تو علم کو سینہ سے لگا کر پکڑے رہے (اور گرنے نہ دیا) [1]

عدم شرکت پر افسوس

جہاد میں عدم شرکت کے لئے حقیقی عذر ہو سکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی اس بات پر مسرت اور راحت محسوس کرے کہ اس کی جان بچی اور اس راہ کی آزمائشوں سے وہ محفوظ رہا۔ اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسے یہ احساس دامن گیر ہو کہ وہ ایک بڑے کارِ ثواب سے محروم رہا، اسے یہ جذبہ بیتاب کر دے کہ وسائل ہوتے اور وہ معذور و بے بس نہ ہوتا تو جہاد کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا، اللہ کے دین کی راہ میں مال خرچ کرتا اور جان کی بازی لگاتا۔ غزوۂ تبوک میں بعض مخلص اہل ایمان شریک نہ ہو سکے، اس لئے کہ ان کے پاس اس لمبے سفر کیلئے سواری نہیں تھی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست کی، آپ نے معذرت فرمادی۔ اس وقت ان کی جو کیفیت تھی اور جو ایک مومن کی کیفیت ہونی چاہئے وہ قرآن نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

تَوَلَّوْا وَ اَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ o (التوبۃ:۹۲)

وہ (آپ کے پاس سے) اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اس غم سے بہ رہی تھیں کہ وہ اس راہ کے اخراجات نہیں پا رہے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اس طرح کے حقیقی معذورین کو جہاد میں شریک نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ (ان کی نیت اور جذبہ کا) اجر و ثواب ضرور عطا کرے گا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب پہنچ کر فرمایا کہ مدینہ میں وہ لوگ بھی ہیں کہ تم جس جگہ بھی

---

[1] ابوحیان، البحر المحیط: ۵/۸۷۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: جلد۴، جزء ۸، ص۱۴۴۔

گئے، جو وادی بھی تم نے طے کی اور جو خرچ بھی تم نے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے ہیں۔صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ وہ ہمارے ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ مدینہ ہی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو (حقیقی) عذر نے جنگ میں شریک ہونے سے روک دیا۔[1]

نصح وخیر خواہی

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کا عذر اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ وہ اللہ اور رسول کے ساتھ خیر خواہی کا ثبوت دیں۔ چنانچہ اسی آیتِ زیرِ بحث (التوبۃ: ۹۱) کے آخر میں اس شرط کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

اِذَا نَصَحُوا لِلّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ	جب کہ وہ خیر خواہ ہوں اللہ اور اس کے رسول کے،نکوکاروں پر کوئی الزام نہیں ہے۔

آیت میں 'نصح' کا لفظ آیا ہے۔ کسی کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کی جو ممکنہ صورتیں اختیار کی جائیں وہ سب 'نصح' میں داخل ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ اور رسول کے ساتھ خیر خواہی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سوال یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں گئے بغیر اپنے مقام پر رہتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کیا خیر خواہی ہو سکتی ہے؟ علماء نے اسے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی کہتے ہیں کہ معذورین کا عذر اس شرط کے ساتھ قابلِ قبول ہوگا اور وہ مستحق ستائش بھی ہوں گے جب کہ وہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ ہوں۔ اس کے برخلاف جو شخص جہاد میں شریک نہ ہو اور میدان جنگ سے پیچھے رہ جائے اور مدینہ میں موجود لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہے، ان کے اندر فساد پھیلائے، وہ قابلِ مذمت اور مستحق عذاب ٹھہرے گا۔ اللہ اور رسول کے ساتھ نصح

---

[1] بخاری: کتاب الجہاد، باب من حبسہ العذر من الغزو۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب ثواب من حبسہ عن الغزو الخ۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی القعود عن العذر۔

وخیر خواہی کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جائے، انہیں اس کے لئے آمادہ کیا جائے، ان کے باہم تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے ان کے دین کو فائدہ پہنچے، ساتھ ہی وہ مخلص ہو اور اس کے اعمال ریاکاری سے پاک ہوں، اللہ تعالی نے آخر میں اصولی بات فرمائی ہے: مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ، جو محسن اور نکوکار ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے[۱]

امام رازی فرماتے ہیں کہ معذورین کے میدان جہاد سے پیچھے رہ جانے کا جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نصح وخیر خواہی کا رویہ اختیار کریں۔ (جہاد کے سیاق میں) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہر میں افواہیں پھیلانے سے احتراز کریں، فتنہ وفساد نہ بھڑکائیں، مجاہدین کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کریں، ان کے خانگی امور کو درست رکھیں، مجاہدین تک ان کے اہل وعیال کی خیر وعافیت کی خبریں پہنچائیں۔ یہ ساری چیزیں جہاد میں اعانت کے حکم میں آتی ہیں[۲]۔

اسلام نے جہاد کے جو اعلیٰ مقاصد متعین کیے ہیں ان کی تکمیل کے لئے وہ اپنے ماننے والوں سے سخت جدوجہد اور جان ومال کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے جس فرد یا گروہ پر جہاد فرض ہو جائے اس سے اس کا جی چرانا اور حیلے بہانے کرنا اس کے نزدیک ایمان کے منافی اور نفاق کی علامت ہے۔ یہ ریاست سے غداری کے بھی ہم معنی ہے۔ اس کے ساتھ اس نے انسان کی طبعی معذوریوں اور حقیقی مجبوریوں کی بھی پوری رعایت کی ہے، اس نے کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا ہے، جہاد کی پوری تعلیم کو سمجھنے کے لئے اس پہلو سے بھی واقفیت ضروری ہے۔☆☆☆

---

۱ جصاص، احکام القرآن: ۱۸۶/۳

۲ رازی، التفسیر الکبیر: جلد ۸، جزء ۱۶، ص ۱۲۷